سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ

سورۂ فاتحہ مکی ہے،[1] [2] اس میں سات آیتیں ہیں۔[3]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔[4] (۱)

---

(۱) سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتداء کے ہیں، اس لیے اسے اَلْفَاتِحَةُ یعنی فَاتِحَةُ الْكِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أُمُّ الْقُرْآنِ ، السَّبْعُ الْمَثَانِي، اَلْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ، الشِّفَآءُ، الرُّقْيَةُ (دم) وَغَيْرُهَا مِنَ الأَسْمَآءِ -

اس کا ایک اہم نام " الصَّلٰوة " بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي» - الحديث (صحیح مسلم - کتاب الصلٰوۃ) "میں نے صلاۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے" مراد سورہ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو "نماز" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے، فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحیح بخاری وصحیح مسلم) "اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔" اس حدیث میں (من) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہو یا امام، یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قراءت بوجھل ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا «لَا تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِأُمِّ الْقُرْآنِ؛ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا» - "تم ایسا مت کیا کرو (یعنی ساتھ ساتھ مت پڑھا کرو) البتہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو، کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔" (أبوداود، ترمذی، نسائی) اسی طرح حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا «مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ، فَهِيَ خِدَاجٌ - ثَلَاثًا - غَيْرُ تَمَامٍ» "جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے" تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا: إِنَّا نَكُوْنُ وَرَآءَ الإِمَامِ (امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اِقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ) (امام کے پیچھے تم سورۂ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو) صحیح مسلم۔

مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے : ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ﴾ (الأعراف۔ ۲۰۴) "جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو" یا حدیث وَإِذَا قَرَأَ فَأَنصِتُوا (بشرط صحت) "جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو" کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۂ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے تاکہ مقتدی بھی احادیث صحیحہ کے مطابق سورۂ فاتحہ پڑھ سکیں' یا امام سورۂ فاتحہ کے بعد اتنا سکتہ کرے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لیں۔ اس طرح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ میں الحمدللہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۂ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے۔ بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ هٰذَا دیکھیے سورۂ أعراف' آیت ۲۰۴ کا حاشیہ (اس مسئلے کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "تحقیق الکلام" از مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری و"توضیح الکلام" مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ' وغیرہ)۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سلف کی اکثریت کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہو تو نہ پڑھے اور اگر نہ سن رہا ہو تو پڑھے (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶۵/۲۳)

(۲) یہ سورت مکی ہے۔ مکی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (۱۳نبوت) سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی ہیں' خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا' یا اس کے اطراف و جوانب میں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں' خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔

(۳) بسم اللہ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے' یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے' یا یہ صرف سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے' اسے صرف دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قراء مکہ و کوفہ نے اسے سورۂ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے' جبکہ قراء مدینہ' بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے' سوائے سورۂ نمل کی آیت ۳۰ کے' کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جزو ہے۔ اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے (فتح القدیر) اکثر علما نے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

(۴) بسم اللہ کے آغاز میں أَقْرَأُ' أَبْدَأُ یا أَتْلُو محذوف ہے یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا' یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ ہر اہم کام کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے' ذبح' وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے پہلے أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھنا بھی ضروری ہے ﴿ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ (النحل۔ ۹۸) "جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو اللہ کی جناب میں شیطان رجیم سے پناہ مانگو"۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۲

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے[1] جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔[2] (۲)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ۳

بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔[3] (۳)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ۴

بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ہے۔[4] (۴)

---

(۱) الحمد میں ال' استغراق یا اختصاص کے لیے ہے' یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' یا اس کے لیے خاص ہیں' کیوں کہ تعریف کا اصل مستحق اور سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی' حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ اللّٰہ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے' اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ اَلْحَمْدُ لله یہ کلمہ شکر ہے جس کی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں لا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ' کو أَفْضَلُ الذِّكرِ اور اَلْحَمْدُ لِلهِ کو أَفْضَلُ الدُّعَاءِ کہا گیا ہے۔ (ترمذی' نسائی وغیرہ) صحیح مسلم اور نسائی کی روایت میں ہے اَلْحَمْدُ لِلهِ تَمْلأُ الْمِيزَانَ " اَلْحَمْدُ لله میزان کو بھر دیتا ہے" اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے پر اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔ (صحیح مسلم)۔

(۲) رَبّ' اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے' جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ عَالَمِينَ عَالَمٌ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے' اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے' جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں۔ مثلاً عالم جن' عالم انس' عالم ملائکہ اور عالم وحوش و طیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں' لیکن رَبِّ الْعَالَمِينَ سب کی ضروریات' ان کے احوال و ظروف اور طبائع و اجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

(۳) رَحْمٰن بروزن فَعْلَان اور رَحِيمٌ بروزن فَعِيلٌ ہے۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں' جن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علما کہتے ہیں: رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے' اسی لیے رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر و مومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہو گا' یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہو گی۔ اللَّهُمَّ! اجْعَلْنَا مِنْهُمْ (آمین)

(۴) دنیا میں بھی اگرچہ مکافات عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے' تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس تحت الاسباب اختیارات ہوتے ہیں' لیکن آخرت میں تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) پھر وہی جواب دے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔[1] (۵)

(صرف ایک غالب اللہ کے لیے) ﴿ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ ﴾ (الانفطار) "اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی' سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔" یہ ہوگا جزا کا دن۔

(۱) عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تذلل و عاجزی اور کمال خشوع کا اظہار اور بقول ابن کثیر "شریعت میں کمال محبت' خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام ہے" یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو' اس کی مافوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب و مافوق الاسباب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی ہو۔ سیدھی عبارت (نَعْبُدُكَ وَنَسْتَعِیْنُكَ) (ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں) ہوتی' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول کو فعل پر مقدم کرکے ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ فرمایا' جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے' یعنی "ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں" نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سدباب کر دیا گیا ہے' لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے' وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب استعانت میں فرق کو نظرانداز کرکے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں' بیوی سے مدد چاہتے ہیں' ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے' یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے' جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں' حتیٰ کہ انبیا بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (الصف) "اللہ کے دین کے لیے کون میرا مددگار ہے؟" اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ (المائدۃ - ۲) "نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو" ظاہر بات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے' نہ شرک' بلکہ مطلوب و محمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو' جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا' اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا' اس کو نافع و ضار باور کرنا اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا' اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے' جو بدقسمتی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔ أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ.

توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تین اہم قسمیں بھی مختصراً بیان کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں۔ توحید ربوبیت' توحید الوہیت اور توحید صفات۔

۱۔ توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق' مالک' رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحدہ

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۶﴾ | ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔[1] (٦)

و زنادقہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں' حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں' جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے۔ مثلاً فرمایا "اے پیغمبر (ﷺ)! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان و زمین میں رزق کون دیتا ہے' یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ" (یعنی یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔(سورہ یونس۔٣١) دوسرے مقام پر فرمایا: اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ (الزمر۔ ٣٨) ایک اور مقام پر فرمایا: "اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے' یہ سب کس کا مال ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے' اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔(المؤمنون۔ ٨٤۔٨٩) وَغَيْرُهَا مِنَ الآيَاتِ

٢- توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا کے لئے' یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے' اس لیے نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ صرف یہی عبادات نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا و التجا کرنا' اس کے نام کی نذر و نیاز دینا' اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا' اس کا طواف کرنا' اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادات ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام و خواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادات کی بہت سی قسمیں وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں جو سراسر شرک ہے۔

٣- توحید صفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں' ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں۔ مثلاً جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے' یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے' کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے' یہ یا اس قسم کی اور صفات الٰہیہ ان میں سے کوئی صفت بھی اللہ کے سوا کسی نبی' ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائیں۔ اگر تسلیم کی جائیں گی تو یہ شرک ہو گا۔ افسوس ہے کہ قبر پرستوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انہوں نے اللہ کی مذکورہ صفات میں بہت سے بندوں کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ.

(١) ہدایت کے کئی مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا' راستے پر چلا دینا' منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ اسے عربی میں ارشاد' توفیق' الہام اور دلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے' یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما' اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرما' تاکہ ہمیں تیری رضا (منزل مقصود) حاصل ہو جائے۔ یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراط مستقیم وہی "الإِسْلَام" ہے' جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور جو

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا[1] ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔[2] (۷)

اب قرآن واحادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔

(۱) یہ صراط مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے جس پر وہ لوگ چلے' جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ منعم علیہ گروہ ہے انبیا شہدا صدیقین اور صالحین کا۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں ہے ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء۔ ٦٩) "اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں' وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا' یعنی انبیا' صدیقین' شہدا' اور صالحین' اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔" اس آیت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا یہ راستہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے' نہ کہ کوئی اور راستہ۔

(۲) بعض روایات سے ثابت ہے کہ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور ضَالِّيْنَ (گمراہوں) سے مراد نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں «لا أَعْلَمُ خِلافًا بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾: بِالْيَهُود وَ ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ بِالنَّصَارَىٰ» (فتح القدیر) اس لیے صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ دونوں کی گمراہیوں سے بچ کر رہیں۔ یہود کی بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے' آیات الٰہی میں تحریف اور حیلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے' حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے' اپنے احبار و رھبان کو حرام وحلال کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کی بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا اور انہیں اَبْنُ اللهِ اور ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (اللہ کا بیٹا اور تین خدا میں سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی یہ گمراہیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکالے' تاکہ ادبار و نکبت کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔

سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی ﷺ نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس لیے امام اور مقتدی ہر ایک کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جہری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ ؓ بھی' حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی (ابن ماجہ۔ ابن کثیر) بنابریں آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابہ کرام ؓ کا معمول بہ ہے۔ آمین کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ «كَذٰلِكَ فَلْيَكُنْ» (اسی طرح ہو) «لا تُخَيِّبْ رَجَآءَنَا» (ہمیں نامراد نہ کرنا) «اللّٰهُمَّ! اسْتَجِبْ لَنَا» (اے اللہ ہماری دعا قبول فرمالے)۔